"اصول فلسفہ وروش رئالیسم"-چند صفحات کامطالعہ (2)

Study of a few Pages from: "Principals of the Philosophy and Methodology of the Realism" (2)

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Dr. Abou Hadi
Director Noor Research & Development Pvt (Ltd.); Islamabad.
E-mail: Noor.marfat@gmail.com

Abstract:
This article is in fact, the second chain of the series discussion about Allama Tabatabai's book "Principles of the Philosophy and Methodology of the Realism". As we know, this book is decorated with the explanatory footnotes by Professor Murtaza Mutahari. The current paper enlightens us with how Professor Mutahari has introduced the philosophical status of his teacher Allah Tabatabai.
Taking the discussion further, he has explained why it was necessary to add explanatory footnotes to this book. Professor Muthari has also replied to the question 'why metaphysics is centeral to the philosophical discussions'. Also, he has introduced and criticized the dialectical materialism of Karl Marx and Engels. The final findings of Professor Murtaza Muthari has been represented in this paper.

Key words: Philosophy, wisdom, realism, Methodology, Muhammad Hussain, Tabatabai, Murtaza, Mutahari.

خلاصہ

پیشِ نظر مقالہ استاد مرتضی مطہری کے تشریحی نوٹس سے مزین، علامہ طباطبائی کی کتاب "اصول فلسفہ و روش رئالیسم" کے چند صفحات کے مطالعہ پر مشتمل سلسلہ بحث کی دوسری کڑی ہے اِس مقالے میں علامہ طباطبائی کے فلسفی مقام و منزلت اور روش کے بیان کے بعد استاد مرتضی مطہری نے کتاب "اصول فلسفہ و روش رئالیسم" پر اپنے تشریحی نوٹس کی ضرورت پر بات کی ہے۔ سلسلہ بحث کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ مابعد الطبیعت کیوں فلسفی مباحث کا محور ہے۔ نیز انہوں نے کارل مارکس اور انگلس کی جدلیاتی مادیت پسندی کا تعارف کروانے کے ساتھ ساتھ اس پر کڑی تنقید کی ہے۔

کلیدی کلمات: فلسفہ، حکمت، ریالزم، روش، محمد حسین، طباطبائی، مرتضی، مطہری۔

1. علّامہ طباطبائی کا فلسفی مقام و مرتبہ

کتاب "اصول فلسفہ و روش رئالیسم" کے مقدمہ میں استاد مرتضی مطہری مدعی ہیں کہ علّامہ طباطبائی علیہ الرحمہ فارابی، بو علی سینا، شیخ اشراق اور صدر المتألہین جیسے عظیم مسلمان فلاسفرز کی آرأ و نظریات پر مکمل احاطہ رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ، آپ نے اپنے فطری عشق اور طبیعی میلان کی بنیاد پر یورپ کے محقق فلاسفرز کے افکار پر بھی پوری دقّت سے نظر دوڑائی ہے۔ آپ قم میں حکمتِ الٰہی کے تنہا مدرّس تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے فقہی، اصولی اور تفسیری موضوعات کی تدریس بھی کی۔

2. "اصول فلسفہ و روش رئالیسم" کی غرض و غایت، طریق کار اور مقالات

استاد مطہری کے مطابق، علامہ طباطبائی کئی سالوں سے یہ سوچ رہے تھے کہ فلسفے کا ایک ایسا نصاب تألیف کریں جو ایک طرف اسلامی فلسفہ کی ایک ہزار سالہ تحقیقات پر مشتمل ہو اور دوسری طرف جدید فلسفی آرأ و نظریات پر بھی توجہ دے اور فلسفے میں قدیم وجدید کی خلیج کو پاٹ سکے؛ ایک ایسا نصاب کہ جو الٰہی فلسفہ کی اہمیت کو بھی کماحقہ اجاگر کرسکے۔ اس کے ساتھ ساتھ روشن خیال نوجوانوں کی یورپی فلاسفرز کے فلسفی آثار پر توجہ اور بالخصوص جدید جدلیاتی مادیت پرستی کے سیاسی اور سماجی فلسفہ کی منظّم ترویج نے علامہ کو مصمم کیا کہ آپ اس کتاب کی تالیف کر ڈالیں۔

جہاں تک اِس کتاب کی تدوین کی سرگذشت کا تعلق ہے تو استاد مطہری کا بیان ہے کہ علامہ نے فضلاء پر مشتمل ایک فلسفی انجمن تشکیل دی جس میں ہفتہ وار بنیادوں پر عرصہ اڑھائی سال میں آپ نے اس کتاب کے 14

مقالات پیش کیے جن کے مضامین پر اگر کسی فاضل شخصیت کو کوئی ملاحظہ ہوتا تو وہ پیش کرتا۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ اِس کتاب کے مضامین اہل فکر و نظر کے نقد و نظر کی چھلنی سے گذر کر تدوین پائے ہیں۔ یہ کتاب 4 جلدوں اور مجموعی طور پر 14 مقالات پر مشتمل ہے۔مقالات کی فہرست درج ذیل ہے:

1۔ "فلسفہ کیا ہے؟"
2۔ "ریالزم اور آئیڈیالزم"
3۔ "علم وادراک"
4۔ "معلومات کی قدر و قیمت"
5۔" علم میں کثرت کی پیدائش"
6۔" اعتباری ادراکات"
7۔"وجود کی مباحث"
8۔"ضرورت، امکان اور جبر واختیار"
9۔"علّت و معلول"
10۔"امکان، فعلیّت اور حرکت وزمان"
11۔"حدوث و قدم، تقدّم، تأخّر اور معیّت"
12۔"وحدت و کثرت"
13۔"ماہیّت، جوہر اور عرض"
14۔"خدائے ہستی اور ہستی (الٰہیات)۔"

3. "اصول فلسفہ وروش ریالیسم" کی روش اور اہمیت

جہاں تک اِس کتاب کی نگارش میں علامہ طباطبائی اور استاد مطہری کی روش کا تعلق ہے تو یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اِس کتاب کی نگارش کی روش بالکل ابتکاری ہے؛ یعنی ایک ایسی روش جس کا مغرب و مشرق کے فلسفی متون میں سراغ کمتر ملتا ہے۔بقول استاد مطہری:

> "آج تک جتنے بھی فلسفی رسالے شائع ہوئے ہیں یا تو وہ بالکل ہی قدمأ کی روش پر لکھے گئے ہیں اور چہ بسا طبیعیات اور فلکیات سے مربوط ایسے مسائل میں بھی قدمأ کی روش کو نہیں چھوڑا گیا جن میں جدید نظریات، قدمأ کے نظریات کے بالکل برعکس ہیں؛ یا پھر جدید نظریات کا فقط ترجمہ اور ان کے نقل پر اکتفاء کیا گیا ہے۔۔۔دوسری طرف جدید فلسفہ میں بہت سے ایسے مسائل پر توجہ ہی نہیں دی گئی یا کمتر توجہ دی گئی ہے جو قدیم فلسفہ اور بالخصوص ملّا صدرا کے فلسفہ میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔۔۔یہی وجہ ہے کہ موجودہ کتاب میں۔۔۔نہ قدیم روش کی پیروی کی گئی ہے، نہ ہی جدید روش کی۔
>
> یہ کتاب در حقیقت، فلسفہ کے ایک مختصر کورس پر مشتمل ہے جو فلسفہ کے مہم ترین مسائل کو بیان کرتی ہے اور اس میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ حتی الامکان اسے سادہ اور عام فہم انداز میں لکھا جائے تاکہ وہ تمام لوگ جو فلسفی ذوق رکھتے ہیں، اپنی مختصر معلومات کی بنیاد پر بھی اپنی حیثیت کے

مطابق اس کتاب سے استفادہ کر سکیں۔یہی وجہ ہے کہ ہر مسئلہ میں براہین اور دلائل کی بھرمار سے پہلو تہی کی گئی ہے اور ہر مدعا کے اثبات میں سادہ ترین طریق بحث اور مختصر ترین برہان کا انتخاب کیا گیا ہے۔"[1]

علامہ طباطبائی کی اِس روش اور اِس کام کی اہمیت کے حوالے سے استاد مطہری مدعی ہیں کہ اِس کتاب میں جہاں اسلامی فلسفہ کی ایک ہزار سالہ گراں قدر تحقیقات سے استفادہ کیا گیا ہے وہاں یورپ کے عظیم فلاسفرز کی تحقیقات پر بھی بھرپور توجہ دی گئی ہے۔اس کتاب میں وہ مسائل بھی زیر بحث لائے گئے ہیں جو قدیم فلسفہ میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ مسائل بھی زیر بحث لائے گئے ہیں جو جدید فلسفہ میں اہمیت کے حامل ہیں۔ نیز ایسے مسائل بھی زیر بحث لائے گئے ہیں جنہیں نہ تو قدیم فلسفہ میں اور نہ ہی جدید فلسفہ میں، کہیں بھی زیر بحث نہیں لایا گیا۔مثال کے طور پر:

"چھٹے مقالہ میں انسان کے ادراکی نظام اور اُس کے حقیقی اور اعتباری ادراکات کے باہمی فرق اور ان کی تفکیک پر ایک بے مثال انداز سے تبصرہ کیا گیا ہے۔اس مقالہ میں اعتباری ادراکات کی ماہیت اور ان کی حیثیت اُجاگر کی گئی ہے اور فلسفہ کو اعتباری ادراکات کی آمیزش سے دور رکھا گیا ہے، حالانکہ کئی فلاسفرز اعتباری ادراکات کی فلسفے کے ساتھ بے جاآمیزش ہی کی وجہ سے ناکام رہ جاتے تھے۔اس کتاب میں نہ تو فلسفہ اپنی حدود سے نکلا ہے اور نہ ہی علوم کے ساتھ مخلوط ہوا ہے،اِس کے باوجود اُس کا علوم کے ساتھ رابطہ بھی نہیں ٹوٹا۔ہاں! قدیم فلکیات اور طبیعیات سے اس کا رابطہ بالکل منقطع ہو گیا ہے اور اگر اس باب میں کہیں ضرورت پیش آئی ہے تو جدید علمی نظریات سے استفادہ کیا گیا ہے۔"[2]

مذکورہ بالا خصوصیات کو مد نظر رکھتے ہوئے علامہ طباطبائی کے فلسفی تاملات، اُن کی فلسفی روش اور اُن کی کتاب "اصول فلسفہ وروش رئالیسم" کی اہمیت کے حوالے سے استادر مطہری کے عین الفاظ کا ترجمہ یہ ہے:

"اس قابل قدر ہستی کی یہ روش، ایک اساسی اقدام ہے جو ایران میں فلسفہ کو ایک جدید مرحلے میں داخل کرے گا۔ ماضی میں فلسفہ کے طالبعلموں کو اُن کی رائج درسی کتابوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا تھا، ان کی معلومات بھی اسی میں محدود رہتیں۔ لیکن اب اگرچہ علّامہ کے اس اقدام کو چند سال بیشتر نہیں ہوئے، قم کے علمی مرکز کے بہت سے طالبعلم جامع تر فلسفی معلومات پر دسترس رکھتے ہیں۔ خاص طور پر آج وہ مادّی فلسفہ کے نظریات سے بیشتر آشنا اور اِس فلسفے کے مغالطوں سے بخوبی واقف ہیں۔"[3]

4. مابعد الطبیعت: فلسفی مباحث کا محور

"اصول فلسفہ و روش رئالیسم" کی مباحث کا محور مابعد الطبیعت اور جدلیاتی مادیّت (ڈیالکٹیکل میٹیریالزم) کے انحرافات کی نشاندہی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یقینی طور پر قدیم فلسفی روایتوں میں کوئی ایسا مکتب نہیں ملتا جو ماوراء الطبیعت کا سرے سے منکر ہو؛ بلکہ برعکس، قدیم ترین فلسفی بحثوں میں بھی عالمِ ماوراء الطبیعت کی بحث موجود تھی۔ زیادہ سے زیادہ ہر زمانے میں چند ایسے مادہ پرست اور دہری پائے جاتے تھے جو مابعد الطبیعت کے اثبات میں حیرت اور شک و تردید کا شکار ہوتے یا یہ کہتے کہ مابعد الطبیعت کے اثبات میں الٰہیون کے دلائل انہیں قانع نہیں کرپائے۔

لیکن جدید فلسفے اور جدلیاتی مادہ پرستی میں علّتِ اُولیٰ، غایت اور روح کے تجرّد کو یکسر مسترد کردیا گیا۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں یورپ میں مادہ پرستی کا شور و غلغلہ ہوا اور اِسے ایک طولانی سابقہ رکھنے والا مکتب بنا کر پیش کیا گیا۔ مادہ پرستوں نے اپنے مجلّات میں تھالس ملطی سے لے کر ارسطو و سقراط، بلکہ ابن سینا تک کو مادہ پرست ثابت کرنے کی کوشش کی اور سائنسی علوم کی تمام تر پیشرفت کا سہرا بھی الحاد کے سر باندھنے کی تگ و دو کی گئی۔

بدقسمتی سے یورپ میں قدیم فلسفی روایت کی تاریخ میں جو تحریفات کی گئیں، عالمِ اسلام اور ایران کے دانشوروں نے اِن تحریفات کو من و عن تسلیم کرلیا اور ان کی ترویج میں مبتلا ہوگئے۔ استاد مطہری کے مطابق ایران میں بھی ڈیالیکٹک میٹیریالزم کا پرچار ہونے لگا اور ڈیالیکٹک میٹیریالزم کے عنوان کے تحت کافی کتابیں، رسالے اور مقالات شائع ہوئے۔ البتہ استاد مطہری کے مطابق، ایران میں چھپنے والے اِن مجلات اور مقالات میں سے اکثر کا اصل انگیزہ بعض سیاسی نظریات کا پرچار تھا اور درحقیقت یہ مجلات، فلسفی تحقیقی ہونے سے زیادہ سیاسی، تبلیغی مجلات تھے جن کا اصلی ہدف سیاسی راستے ہموار کرنا ہوتا ہے۔ سیاسی مجلات اس امر کے پابند نہیں ہوتے کہ حقائق، جیسے ہیں ویسے پیش کیے جائیں؛ بلکہ وہ تو اس امر کے پابند ہوتے ہیں کہ حقائق کو یوں پیش کیا جائے کہ سیاسی اہداف تک رسائی ممکن ہوسکے۔[4]

خلاصہ یہ کہ اِس مادی، الحادی اور افراطی طرزِ تفکر نے علامہ طباطبائی کو اپنی "اصول فلسفہ و روش رئالیسم" کے متن اور شہید مرتضی مطہری کو اس کے تشریحی نوٹس میں مابعد الطبیعت کے اثبات پر سب سے زیادہ زور دینے پر برانگیختہ کیا۔ لہٰذا جہاں علامہ طباطبائی نے کتاب کے متن میں مابعد الطبیعت کے اثبات کی غیر متزلزل بنیادیں کھڑی کی ہیں، وہاں شہید مطہری نے اِس کتاب کے مقدمے میں مابعد الطبیعت کے اثبات میں دادِ سخن دی ہے۔ آپ رقمطراز ہیں کہ سب سے قدیم فلسفی حکیم "ہرمس" اور اس کے مکتب کے پیروکار [ہرامسہ] سبھی عالمِ ماوراء الطبیعت کے قائل تھے۔ ہرامسہ کے بعد ملطیوں کے دَور کو فلسفے کے تکامل کا دوسرا دَور قرار دیا جاسکتا ہے۔ اِس

دَور میں بھی عالمِ ماوراء الطبیعت کے بارے میں بحث ہوتی تھی اور ملطیوں کے ہم عصر، یا ان سے متأخر یونانیوں کے ہاں بھی سقراط تک عالمِ ماوراء الطبیعت، فلسفی مباحث کا موضوع رہا۔

ملطیوں کے ہم عصر ہندوستان اور چین کے فلسفیوں کے ہاں بھی معاملہ ایسا ہی تھا۔ لیکن انیسویں صدی کے معروف جرمن مادی مکتب دانش مند "لڈوگ بوچنر" Ludwig Buchner[5] نے ڈارون کے نظریہ پر لکھی گئی اپنی تشریحی کتاب (Progress in nature and History in the light of Darwinian Theory, 1884) میں ایک نافہمی یا غلط فہمی کی بنیاد پر اناکسیمنڈرس، اناکسیمانوس، اگزینوفانوس، ہراکیٹس، برمانیڈس، امپیڈوکلس (انباذقلس) اور ذی مقراطیس جیسے بہت سے فلاسفرز کو مادہ پرست قرار دے دیا۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی اور مذکورہ بالا فلسفیوں میں سے کسی ایک کو بھی اس معنی میں مادہ پرست قرار نہیں دیا جا سکتا جس معنی میں ملحدین، مادہ پرست اور مابعد الطبیعت کے منکر ہیں۔ کیونکہ:

"اس جماعت کو تاریخ فلسفہ میں اگر مادی مکتب یا طبیعیّون کہا جاتا ہے تو وہ ریاضیون (فیثاغوریوں) کے مقابلے میں ہے کہ جن کا عقیدہ یہ تھا کہ عالم ہستی کی اصل واساس، عدد ہے۔ یا اگر انہیں مادی مکتب یا طبیعیون کہا جاتا ہے تو وہ سوفسطائیوں کے مقابلے میں کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ سوفسطائیوں کے برعکس، عالم طبیعت میں ایک مادے اور اصل اوّلی کے قائل تھے۔

مثال کے طور پر تھالس، پانی کو مادۃ المواد قرار دیتا تھا، انیکسمنڈرس، مبہم ہیولا کو، انکسیمن، ہوا کو اور ہرقلیطس آگ کو، انباذقلس، عناصر اربعہ کو اور ذیمقراطس، اجزاء لایتجزء کو مادۃ المواد قرار دیتے تھے۔

یہ سب دانش مند عالم طبیعت کے حوادث کو ان کے طبیعی اسباب کا مولود قرار دیتے تھے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل موجود ہے کہ یہ دانش مند، ماوراء الطبیعت کے منکر تھے۔ افلاطون اور ارسطو نے اپنے نوشتہ جات میں ان افراد کا بہت نام لیا ہے، لیکن انہوں نے انہیں قطعاً ماوراء الطبیعت کا منکر قرار نہیں دیا ہے۔"[6]

استاد مرتضی مطہری کے بقول مادہ اُولیٰ کا قائل ہونے اور مادہ پرست ہونے میں فرق ہے۔ کیونکہ اگر مادہ اُولیٰ کا قائل ہونا اور عالم طبیعت کے حوادث کو طبیعی عوامل کا مولود قرار دینا، میٹیریالسٹ ہونے کی دلیل ہو تو پھر سقراط و افلاطون وارسطو و فارابی وابن سینا و صدر المتألہین اور ڈیکارٹ جیسے تمام الٰہی فلاسفہ، حتیٰ کہ سب انبیاء اور پیشوایان دین کو بھی مادہ پرست قرار دینا پڑے گا۔ کیونکہ یہ سب کائنات کے مادی جوہر اور ہیولا کے قائل ہیں۔

علاوہ ازیں، فلسفہ کی کتابوں میں یونانی قدماء کی ماوراء الطبیعت کے باب میں ایسی آرائ نقل ہوئی ہیں جن سے بخوبی کشف ہوتا ہے کہ یہ دانش مند باقاعدہ طور پر الٰہی تھے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کے علم کے باب میں تھالس یا

انکسمنڈرس کے عقیدے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے۔ جیسا کہ خود "بوچنر"، ہراکلیٹس (Heraclitus) کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ معتقد تھا کہ: "انسانی نفس، آگ کا ایک شعلہ ہے جو الٰہی ازلیّت سے اٹھا ہے۔"

"The soul is a spark of fire, a flame that is rooted in eternity."

اس نقل کی صحت و عدم صحت سے قطعِ نظر، ہراکلیٹس کا الٰہی فلسفی ہونا اور مادہ پرست یا ملحد نہ ہونا، بہر صورت تاریخ فلسفہ کی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اسی طرح "بوچنر"، ہراکلیٹس کا یہ قول بھی نقل کرتا ہے کہ: "عالم کی اساس، آگ ہے جو کبھی شعلہ ور ہوتی اور اوپر اٹھتی ہے اور کبھی بجھتی اور بیٹھ جاتی ہے اور یہ ایک کھیل ہے جو "ژوپیٹر" (ایک خدا) ہمیشہ اپنے ساتھ کھیلتا رہتا ہے۔" [7]

"The basis of the universe is fire, which sometimes flares up and rises, and sometimes goes out and settles down. And this is a game that Jupiter (or Zeus) is always playing with himself".

"بوچنر"، انباذقلس (Empedocles) کو "ڈارون ازم" کا باپ قرار دیتا اور اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ تطوّر اور تنازع بقا کا نظریہ، سب سے پہلے انباذقلس ہی نے بہترین انداز میں پیش کیا۔ لیکن "بوچنر" یہ اعتراف کیے بغیر بھی نہیں رہ سکا کہ انباذقلس: "نفس کی مفارقت کا قائل بھی ہے اور اسے ایک معنوی غایت سے منسوب بھی جانتا ہے؛ ایسی معنوی غایت کہ نفس، راحت و شوق اور محبت کے عالمِ اوّلیہ میں اِسی غایت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔"

بنابریں، استاد مطہری کے مطابق سقراط سے پہلے کے دانش مندوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ غالباً ماحول کے زیر اثر الٰہہ اور ارباب انواع کے بارے میں چند شرک آلود عقائد میں مبتلا تھے۔ البتہ ان دانش مندوں کے ایسے اقوال، رمز سے خالی نہیں ہیں اور انہیں اپنے ظاہری معنی پر حمل نہیں کیا جا سکتا۔ ملّا صدرا نے اسفار کی دوسری جلد کے اختتام پر تھالس، انکسیمائس، انکساغورث، انباذقلس، افلاطون، ارسطو، ذیمقراطس، اپیکور اور بہت سے دیگر قدیم فلاسفرز کے بعض اقوال بیان کیے ہیں اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ متقدّمین کے یہ اقوال رموز پر مشتمل ہیں اور ان اقوال کے ناقلین، ان کی حقیقی مراد تک نہیں پہنچ پائے اور خود ملّا صدرا نے ان کلمات کی حرکت جوہریہ اور حدوث عالم کے باب میں تأویل کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ استاد مرتضی مطہری کے مطابق، قدمأ یا متأخرین میں سے بعض کے مادی مسلک ہونے پر عام طور پر جو دلائل قائم کیے جاتے ہیں، وہ مادۃ المواد یا مادۂ اصلی پر عقیدہ رکھنا، یا طبیعی عوامل کو عالم طبیعت کے حوادث کا سبب قرار دینا، یا یہ عقیدہ رکھنا کہ عالم ہستی کا نظام ایک وجوبی اور ضروری نظام ہے، یا یہ عقیدہ رکھنا کہ کوئی چیز بھی "لاشئ" سے وجود میں نہیں آئی، یا طبیعت کے مسائل میں تجربی منطق کو اہمیت دینا وغیرہ جیسے وہ عقائد ہیں

کہ جن کا مادہ پرست ہونے یا نہ ہونے سے کوئی ربط نہیں اور یہ فلسفہ کی تاریخ لکھنے والوں یا بعض انسائیکلوپیڈیا لکھنے والوں کی فاحش غلطی ہے کہ انہوں نے قدماء کو مادہ پرست قرار دیا ہے۔[8]

اِس غلطی کا ایک سرچشمہ یہ ہے کہ قدیم فلاسفرز میں سے بعض لوگ روح کے تجرّد اور موت کے بعد نفس کی بقاَ کے منکر تھے۔ ذیمقراطیس، اپیکور اور ان کے پیروکاروں کو اسی عقیدہ کا مالک قرار دیا جاتا ہے۔ سولہویں صدی عیسوی کے بعد یورپ میں بھی کچھ لوگ اس نظریہ کے پیروکار ہو گئے کہ نفس، موت کے بعد باقی نہیں رہتا۔ بعض کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے 1516 میں پطرس بیمبس (Petrus Bembus) نے ارسطو کے جواب میں روح کے تجرد کے خلاف کتاب لکھی۔ پھر تدریجاً یہ عقیدہ شائع ہوا اور کئی لوگ اس کی پیروی کرنے لگے اور اس موضوع پر کئی رسالے لکھے گئے۔

لیکن "بوچنر" اپنی کتاب کے چھٹے مقالے میں مدعی ہے کہ بیمبس، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر بڑی سختی سے کاربند تھا اور ان تعلیمات کی حمایت کرتا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ سترہویں صدی کے نصف تک سبھی لوگ اسی طرح تھے اور شاید اس کی وجہ خوف تھی یا پھر ایمان کا وہ رسوخ تھا کہ جو دلوں میں پایا جاتا تھا۔ "بوچنر" کے مطابق فقط اٹھارہویں صدی میں کچھ لوگ باقاعدہ طور پر خدا کے منکر ہوئے۔

استاد مطہری کے مطابق مابعد الطبیعت اور خدا کے وجود کے انکار کا آغاز اٹھارہویں صدی عیسوی میں ہوا جب بیرن ڈی ہولباخ (Baron d'Holbach 1723-1789) نے 1770 میں "نظام طبیعت" (Système de la nature) نامی کتاب لکھی جس میں اُس نے باقاعدہ طور پر خدا کے وجود اور دین کا انکار کیا۔[9] اسی طرح ایلمبرٹ جیسے بعض لکھاریوں نے بھی مادہ پرستی کو اپنا مذہب بنایا۔ البتہ ایلمبرٹ تحیرّ اور تردید کا شکار ہوا جس کے ساتھ دائرۃ المعارف (Encyclopédie) کے ایڈیٹر ڈینس ڈیڈروٹ (Denis Diderot) بھی شک و تردید میں پڑ گئے جن کی تحریروں میں اکثر علم، عقل، اور تنقیدی سوچ کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ ڈیڈرو کے ایک مشہور قول کا ترجمہ ہے: "شک، علم کا پہلا قدم ہے۔"

خلاصہ یہ کہ استاد مطہری کے مطابق، مادہ پرستی اور مابعد الطبیعت کا انکار کا باقاعدہ آغاز اٹھارہویں صدی میں ہوا۔ لیکن انیسویں صدی میں اس مکتب کو کچھ زیادہ ہی پیروکار میسر آ گئے اور اسی صدی کے دوسرے نصف (1859) میں ڈارون کا انواع کی تبدیلی کا نظریہ پیش ہوا جسے مادہ پرستوں نے اپنے مادّی فلسفے کی پیشرفت کا بہترین وسیلہ قرار دے دیا۔ حالانکہ ڈارون خود اپنے عقائد میں مادہ پرست نہیں تھا، بلکہ اس نے تو محض بیالوجیکل نقطۂ نظر سے اپنا مفروضہ پیش کیا تھا۔ جیسا کہ معروف مادہ پرست، ڈاکٹر شبلی شمیل اپنی کتاب "فلسفة النشوء و الارتقاء" کے دیباچہ میں اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ ڈارون نے زندہ موجودات کے

بارے میں اپنے تکامل کے نظریہ کو فقط سائنسی لحاظ سے بیان کیا (نہ کہ فلسفی لحاظ سے)۔ لیکن بعد میں ہسکلے اور بوچنر جیسے مادہ پرستوں نے اسے مادہ پرستی اور مادی فلسفے کی سند بنا کر پیش کیا۔[10]
شبلی شمیل، بوچنر کی لکھی شرح سے یہ جملہ خود ڈارون سے نقل کرتا ہے کہ: "اب تک جو کچھ مجھ پر منکشف ہوا ہے، اس کے مطابق روئے زمین پر ظاہر ہونے والے تمام زندہ موجودات، ایک ہی نسل سے نکلے ہیں اور سب سے پہلا زندہ موجود جو اس زمین پر وجود میں آیا، خالق نے اس کے جسد میں روح حیات پھونکی۔"[11]

5. ڈیالیکٹک میٹیریالزم اور اس کے انحرافات

شہید مطہری کے مطابق انیسویں صدی عیسوی میں ڈارون ازم کے علاوہ، "ڈیالیکٹک میٹیریالزم" کے نام سے ایک نیا الحادی مکتب وجود میں آیا جس کی بنیاد کارل مارکس 1818-1883 اور فریڈرک اینگلز 1820-1895 نے رکھی۔ کارل مارکس Karal Marx جو کہ "ڈیالیکٹک میٹیریالزم" کا اصل بانی شمار ہوتا ہے، ایک مختصر عرصہ تک عظیم جرمن فلاسفر، ہیگل کا شاگرد رہا اور اس نے ڈیالیکٹک منطق ہیگل سے سیکھی۔ ہیگل اپنے فلسفی افکار میں مادہ پرست نہ تھا لیکن کارل مارکس نے مادی فلسفے کو پسند کیا اور اپنے استاد سے سیکھی گئی ڈیالیکٹک منطق کی بنیادوں پر اس نے اس فلسفے کی عمارت کھڑی کی اور یوں ڈیالیکٹک میٹیریالزم کا مکتب وجود میں آیا۔
کارل مارکس ۳۱ سالگی میں پیرس سے لندن جلا وطن ہوا اور بعد میں اسے بروکسل میں قائم کمیونسٹس کی یونین نے کمیونسٹ پارٹی کا منشور بنانے کی مأموریت دی جسے نبھاتے ہوئے اُس نے "مانیفسٹ" نامی کتاب تحریر کی جسے لینن نے طبقاتی تقسیم سے مبارزے اور مارکس کی اجتماعی اور اقتصادی تعلیمات کا مظہر قرار دیا۔ مارکس 1851 سے لے کر اپنی عمر کے اختتام تک لندن میں "کیپیٹل" مجلّہ کی نگارش میں صرف کی۔ جہاں تک "Friedrich Engels" کا تعلق ہے تو اس نے بھی 21 سالگی میں برلن میں فوج میں شمولیّت اختیار کی جہاں اُس کا ہیگل کے مکتب کی بائیں بازو کی جماعت سے رابطہ برقرار ہوا اور اُس نے اس سیاسی جماعت کا ساتھ دیتے ہوئے ڈیالیکٹک میٹیریالزم کو ہَوا دی۔
بنابریں، استاد مطہری نکتہ نگاہ سے اگر جدلیاتی مادہ پرستی کے مکتب کے بانیوں کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ڈیالیکٹک میٹیریالزم کا علوم کے ساتھ کمترین رابطہ بھی نہیں رہا اور اس کے اصول، کوئی علمی، فلسفی اصول نہیں، بلکہ ایک طرح سے ذوق پر استوار، شخصی انحرافات اور قیاس آرائیاں ہیں جن کی مقبولیت کا تنہا راز یہ ہے کہ یہ مکتب ایک ایسے زمانے میں منظرِ عام پر آیا جو یورپ کے علمی تجدّد *(Renaissance)* کا زمانہ تھا جس میں ایک طرف تو فلکیات اور طبیعیات کے باب میں پائے جانے

والے کئی ہزار سالہ انسانی مسلّمات کو باطل قرار دے دیا گیا لیکن دوسری طرف کوئی مضبوط فلسفی، فکری نظام پیش نہ کیا جا سکا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اہل یورپ ایک عجیب فکری وحشت، حیرت اور انتشار میں مبتلا ہو گئے اور اس فضا میں ڈیالیکٹک میٹیریالزم کی چورن بکنے لگی۔ اس کے علاوہ سوفسطائیت کا بازار بھی دو ہزار سالہ کساد اور بے رونقی کے بعد دوبارہ ناقابل بیان حد تک رونق پا گیا۔ خلاصہ یہ کہ استاد مطہری کے مطابق:

" یورپ میں گوناگوں مکاتب کی پیدائش کی ایک اور عمدہ وجہ حکمت الٰہیہ کا فقدان تھا۔ ایک ایسے مضبوط عقلی فلسفی مکتب کا فقدان تھا جو علوم اور سائنسز کے ساتھ بھی ہم آہنگ ہوتا؛ کیونکہ یورپ میں حکمت الٰہی کے نام پر چند بے بنیاد اور سطحی عقائد کے وجود نے مادی فلسفہ کے لیے بے حد میدان کھلا چھوڑا۔ آپ اگر مادہ پرستوں کی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں تو بخوبی مشاہدہ کریں گے کہ وہ کس طرح کے عقائد پر حملہ کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یورپ کے بعض جدید دانش مند کہ جن کا نظریہ الٰہی تھا، وہ بھی وہاں کی نام نہاد حکمتِ الٰہی کی تعلیمات سے نالاں ہیں۔ "[12]

استاد مطہری نے معروف ستارہ شناس اور الٰہی دانش مند، کیملی فلاماریون (Camille Flammarion) کی زبانی اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں یورپ کی فلسفی تہی دستی اور افراطی سائنس پرستی کی بہترین تصویر کشی کی ہے۔ مطہری کے نقلِ قول کے مطابق، فلاماریون رقمطراز ہیں کہ:

"ایک دقیق اور حقیقت بین ناظر، اس باشعور انسانی معاشرے میں دو مختلف رجحانات مشاہدہ کر سکتا ہے۔ ہر رجحان لوگوں کے ایک گروہ کے سر پر سوار اور اُن پر مسلّط ہے۔ ایک طرف کیمیادان ہیں کہ جو اپنی لیبارٹریوں میں کیمیاوی مواد کے فعل و انفعالات اور جدید مادی علوم کے بعض شعبوں کے بارے میں تحقیق میں مصروف، اجسام کی جوہری ترکیبات معلوم کر کے پوری صراحت کے ساتھ یہ اعلان کرتے ہیں کہ کیمیاوی تجربات سے حاصل شدہ ان ترکیبات میں کسی طور خدا کے وجود کا مشاہدہ نہیں کیا گیا۔ دوسری طرف وہ حکمائے الٰہی ہیں جو چند قدیم کتابوں اور ایسے خطی نسخوں کے مابین بیٹھے ہیں جن پر گرد و غبار کی چادر چڑھی ہے اور وہ بڑے شوق و رغبت کے ساتھ اِن کتابوں کے مطالب کے بارے میں تحقیق کر رہے ہیں، ان سے نسخہ برداری کر رہے ہیں، ان کا ترجمہ کر رہے ہیں اور چند مذہبی آیات و روایات کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اپنے گمان میں گویا وہ رفائیل فرشتہ کے ساتھ ہم صدا ہو کر یہ کہہ رہے ہیں کہ جاودانی بابا کی بائیں آنکھ کی پتلی سے لے کر دائیں آنکھ کی پتلی تک چھ ہزار فرسخ کا فاصلہ ہے۔ "[13]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یورپ میں مادہ پرستی اور ڈارون ازم یا ڈیالیٹیک میٹیریالزم کو محض اِس لیے پذیرائی ملی کیونکہ وہاں حکمتِ الٰہیّہ کا شدید فقدان تھا۔ جس کا اندازہ اِسے لگایا جاسکتا ہے کہ پوپ " تھامس آکوینی " جس کی کتابیں چار سو سال تک یورپ کے علمی اور دینی مراکز میں فلسفہ کی رائج کتب کے طور پر پڑھائی جاتی رہی ہیں، اپنی کتاب "لاہوتی مجموعہ" میں یہ غیر فلسفی اور نامعقول سوال زیرِ بحث لاتا ہے کہ "آیا ممکن ہے چند فرشتے سوئی کی نوک میں سما جائیں؟" ڈاکٹر شبلی شمیل نے اپنی کتاب "فلسفة النشوء والارتقاء" کی دوسری جلد میں "القرآن والعمران" کے عنوان کے تحت تحریر میں اِن صدیوں میں یورپ کی اِسی فلسفی زبوں حالی کی طرف اشارہ کیا ہے:

" فلسفہ، مسلمانوں کے ہاں اپنی پہلی اٹھان ہی میں ترقی کے اعلیٰ ترین درجات تک جا پہنچا۔ لیکن عیسائیوں کے ہاں اپنی پہلی اٹھان ہی میں نابود اور محو ہو گیا اور "مسیحی لاہوت" کی بحث کے سِوا اس کی دیگر تمام مباحث پر حرمت کا فتویٰ لگا دیا گیا۔"[14]

اگرچہ یورپ میں بعد میں ڈیکارٹ اور اس کے پیروکاروں جیسے بزرگ الٰہی حکمأ آئے۔ لیکن وہ بھی ایک مضبوط اور قانع کنندہ الٰہی فلسفہ دینے میں کامیاب نہ ہو پائے۔ استاد مطہری کے مطابق:

" اگر یورپ میں بھی حکمت الٰہی نے وہی پیشرفت کی ہوتی جو مسلمانوں کے ہاں کی، تو یہ سب پراگندہ اور جدا جدا فلسفی مکتب وہاں معرض وجود میں نہ آتے۔ نہ تو سوفسطائیوں کی خیال بافیوں کو میدان ملتا اور نہ مادہ پرستوں کو اپنے تکبّر اور غرور کے اظہار کا موقعہ میسر آتا اور آخرِ کار نہ آئیڈیالزم وجود پاتی اور نہ ہی میٹیریالزم۔"[15]

*****

References

1. Allama Syed Muhammad Hussain Tabatabaie, *Usool-e Falsafa wa Rawish-e Realism*, Vol. 1 (Tehran, *Intesharat-e Sadra*, 1393 SH.), 19.

علامہ سید محمد حسین، طباطبائی، *اصول فلسفہ وروش رئالیسم*، جلد1 (تہران، *انتشارات صدرا*، 1393ھ،ش)، 19۔

2. Ibid.

ایضاً۔

3. Ibid, 21.

ایضاً، 21۔

4. Ibid, 30.

ایضا،30۔

5 . Büchner's materialism was focused on the idea that matter is the only fundamental substance and reality, and that everything else, including consciousness and mental phenomena, can be reduced to material processes. He argued that science and reason should be the primary guides for understanding the world, and that supernatural or religious explanations are unnecessary.

6. Ibid, 24.

ایضا،24۔

7. Ibid, 25.

ایضا،25۔

8. Ibid, 26.

ایضا،26۔

9 . D'Holbach believed that religion was a product of human ignorance and fear, and that it was used by authorities to control people. His works continued to influence atheistic and materialistic thinkers in the 19th and 20th centuries, contributing to the development of modern secular humanism.

10. Ibid, 28.

ایضا،28۔

11. Ibid.

ایضا۔

12. Ibid, 31.

ایضا،31۔

13. Ibid, 32.

ایضا،32۔

14. Ibid.

ایضاً۔

15. Ibid, 32-33.

ایضا،32-33۔